علامہ اقبالؒ اور دینی واسلامی تحریکیں

تحریر و تحقیق

☆ ڈاکٹر محمد اکرم رانا

۱۸۰۰ء سے ۱۹۴۷ء تک کا عرصہ برصغیر میں محکومیت کا دور کہلاتا ہے۔ ۱۸۵۷ء کی ناکام جنگِ آزادی کے بعد مسلمانوں کی حالت ہر لحاظ سے انتہائی پستی کو پہنچ گئی تھی لیکن قوم میں ابھی جان باقی تھی۔ ایسے میں دیکھتے دیکھتے ہی برصغیر کا نقشہ بدل گیا اور ایک وسیع خطے پر خود مختار اسلامی ریاست قائم ہو گئی جو دورِ حاضر کی ایک انتہائی اہم اور طاقتور اسلامی مملکت ہے۔

یہ نتیجہ خیز کوششیں صرف سیاست تک محدود نہ تھیں۔ علمی، ادبی بلکہ مذہبی اور دینی معاملات میں بھی قوم نے نئی سربلندیاں حاصل کیں۔ مذہبی اور دینی امور میں یہ کامیابیاں روشن اور درخشاں تھیں۔ ان میں کامیابی کا مزید رنگ ایسے مفکر نے پیدا کیا جو نہ صرف فلسفے اور شاعری میں اعلیٰ مقام رکھتا تھا، بلکہ قوم کا ایک نباض اور مفسر قرآن تھا۔ وہ قوم کو ایک نئی سمت دکھانے میں سرگرم عمل تھا۔ وہ جدید علم الکلام اور اسکے ردعمل کے بیچوں بیچ ایک مستعد شخصیت کا حامل تھا۔ اس نے ہر طرف سے منہ پھیر کر مذہبی خیالات کی تشکیل نو کی۔ اس نے اپنے آپ کو نئی نسل کی ذہنی بے راہروی کے علاج کے لیے وقف کر دیا۔ نئے حالات میں اور نئی نسل کے لیے اقبال سے بہتر کوئی نعم البدل نہ تھا۔ (۱) وہ خالص شاعری کا قائل نہ تھا۔ اس کا موضوع وطن کی بجائے ملّت تھا۔ وہ مسلمانانِ برصغیر کی آزادی اور نشاۃِ ثانیہ کا خواب دیکھنے والوں میں تھا۔

وہ برصغیر کے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ دنیا بھر کے مسلمانوں کے مسائل کی جانب علمی رائے عامہ کو متوجہ کرنے میں کامیاب ثابت ہوا۔ انہیں انگلینڈ اور فلسطین میں قیام کے دوران ملت اسلامیہ کے سیاسی اضطراب کو تحریک کی صورت میں ڈھالنے کا موقع ملا۔ مؤتمر عالم

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

اسلامی کے اجلاس 1931ء میں آپ کو نائب صدر منتخب کیا گیا۔ انہیں مسلم کانفرنس کا 1932ء میں صدر بنا دیا گیا۔ اس طرح انہیں عملی سیاست میں مسلمانوں کی صف اوّل کی قیادت میں شامل ہونے کا موقع مل گیا۔ (۲)

اقبال ملّت کی تشکیل کے لیے دین کے فہم کو ضروری سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک ''یہ اسلام ہی ہے جس نے بنی نوع انسان کو سب سے پہلے یہ پیغام دیا کہ دین نہ قومی ہے نہ نسلی نہ انفرادی اور نہ ہی پرائیویٹ، بلکہ خالصتاً انسانی ہے۔ صرف یہی ایک طریق ہے جس سے عالم انسانی کی جذباتی زندگی اور اس کے افکار میں یک جہتی اور ہم آہنگی پیدا ہو سکتی ہے جو ایک ملت کی تشکیل اور بقا کے لیے ضروری ہے۔'' اقبال اسلامی تحریکوں کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے اخوتِ اسلامی اور انسانی وحدت اور حریت کی اصطلاحات استعمال کرتے ہیں۔ (۳)

انسانی وحدت قائم کرنے کے لیے انہوں نے علامہ جمال الدین افغانی کے نظریہ ''اتحاد عالم اسلامی'' کو آگے بڑھایا۔ ان کے نزدیک (پین اسلام ازم) کا پیغام ازلی و ابدی عالمگیر و آفاقی نوعیت کا پیغام ہے۔ یہ ہر زمانے اور ہر ملک و قوم کے لیے راہ ہدایت ہے۔ ان کے نزدیک اسلام دنیا کے سب انسانوں کے رنگ و نسل کے امتیازات کو مٹا کر ایک نئی جماعت میں دیکھنا چاہتا ہے، وہ کہتے تھے:

تفریق ملل حکمت افرنگ کا مقصود
اسلام کا مقصود فقط ملّت آدم
مکہ نے دیا کاخ جنیوا کو یہ پیغام
جمعیت اقوام کہ جمعیت آدم

اقبال نے مثنوی پس چہ باید کرد میں تمام اہل مشرق کو تطہیر فکر کی وحدت دی ہے۔ (۴)

اقبال کہتے ہیں کہ ہماری جماعتیں اور افراد اسی ملّت کی تعمیر کریں جو صداقت سے ہم آہنگ، حق کی پابند اور بری امراض سے پاک ہو۔ (۵)

اس سلسلہ میں وہ مسلسل عمل اور سرگرم عمل ہونے کی تلقین کرتے وہ کہتے کہ حیات اور

ترقی کا دار و مدار نفس اور آفاق کے مسلسل تصادم پر ہے۔ (۶)

۱۔تحریکِ خلافت

جنگ عظیم اوّل میں اتحادیوں نے سلطنت عثمانیہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ برصغیر میں مسلمانوں نے ترکی اور خلافت کی حمایت میں تحریکِ خلافت چلائی۔علی برادران اس تحریک کے روح رواں تھے۔

اقبال 1919ء میں تحریک کے رکن بنے، مگر جلد مستعفی ہو گئے۔ خلافت کے خاتمے پر بانگِ درا کی نظم ''دنیائے اسلام'' میں کہتے ہیں:

لے گئے تثلیث کے فرزند میراثِ خلیل

خشت بنیاد کلیسا بن گئی خاکِ حجاز

اقبال تحریک خلافت میں مضمر اسلامی اخوت کے عالمگیر جذبے کے تو مداح تھے وہ اس روش کے خلاف تھے کہ دوسروں سے اپنے حقوق کی بھیک مانگی جائے۔ وفد انگلستان سے خالی لوٹا۔اس ناکامی کے باوجود اقبال نے اس کی جملہ مساعی کو قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ چنانچہ انہوں نے سید سلیمان ندوی کو لکھا کہ اپنے زور بازو پر بھروسہ کرنے کی عادت ڈالو۔ تحریکِ خلافت کے خاتمہ سے انگریز کی مسلمان دشمنی عیاں ہوگئی۔ مسلمانوں میں بحیثیت قوم جدو جہد کرنے اور حکومت کے خلاف آواز اٹھانے کا حوصلہ پیدا ہوا، ان میں بیداری کی لہر دوڑ گئی۔ انہیں ہندو دشمنی کا شعور بھی ہو گیا۔انہوں نے ہندوؤں کی سیاست پر اعتماد کرنا ترک کر دیا۔ (۷)

۲۔مسئلہ فلسطین

علامہ اقبال فلسطین کو خالص اسلامی مسئلہ تصور کرتے تھے۔ان کو اس بات پر بہت رنج تھا کہ یہودیوں کو فلسطین کا زرخیز قطعہ تفویض کر دیا گیا اور عربوں کو پتھریلے صحرائی حصہ میں لے آئے۔ علامہ کہتے تھے کہ مشرق قریب کی قوموں کے سیاسی تحفظ و بقا کا راز ترکوں اور عربوں کے فوری اتحاد میں مضمر ہے۔

مسئلہ فلسطین اُن کے نزدیک انتہائی بین الاقوامی مسئلہ تھا۔ ان کے نزدیک یہ مسئلہ محض عربوں کا ہی نہیں بلکہ ایشیا کی تمام طاقتوں (اسلامی) کے تدبر کا نہایت سخت امتحان ہے۔ علامہ اقبال مسلمانوں اور ایشیا والوں کو نصیحتیں فرماتے ہیں:

۱۔ عربوں اور ترکوں میں اختلاف وافتراق کو دور کرنا چاہیے اس لیے کہ مشرق ادنیٰ ملکوں کی آزادی عربوں اور ترکوں کے اتحاد کے بغیر محفوظ نہیں رہ سکتی۔

۲۔ جس ادارہ کو غلطی سے جمعیتِ اقوام سمجھا جارہا ہے وہ فی الحقیقت انگریزوں اور فرانسیسیوں کی اغراض کا آلہ کار ہے۔ وقت آگیا ہے کہ ایشیا کی اسلامی طاقتیں ایشیا میں اپنی جمعیت اقوام کے قیام کی سعی فرمائیں۔ (۸)

اقبال کو ذاتی طور پر مسئلہ فلسطین سے بہت زیادہ دلچسپی تھی۔ قائداعظم محمد علی جناح کو ایک خط میں علامہ نے لکھا:

> مسئلہ فلسطین نے مسلمانوں کو مضطرب کر رکھا ہے۔ مسلم لیگ کی بدولت شاید فلسطین کے عربوں کو کچھ فائدہ پہنچ جائے۔ ذاتی طور پر میں ایسے امر کے لیے جس کا اثر ہندوستان اور اسلام دونوں پر پڑتا ہو جیل جانے کے لیے تیار ہوں۔ ایشیا کے دروازے پر ایک مغربی چھاؤنی کا مسلّط کیا جانا اسلام اور ہندوستان دونوں کے پرخطر ہے (۹)

وہ مس فارقوہرسن کو لکھتے ہیں:

> فلسطین پر یہودیوں کا کوئی حق نہیں۔ (۱۰)

وہ مغربی سیاسیات پر یہودیوں کے بڑھتے ہوئے اثر کو سمجھتے تھے۔ ان کو یقین تھا کہ یورپ یہودیوں کے دام فریب میں آجائے گا اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ عملاً آج ایسا ہی ہے:

تاک میں بیٹھے ہیں مدت سے یہودی سود خوار
جن کی روباہی کے آگے، ہیچ ہے زور پلنگ

خود بخود گرنے کو ہے پکے ہوئے پھل کی طرح
دیکھئے پڑتا ہے آخر کس کی جھولی میں فرنگ

یہودیوں کا یہ دعویٰ کہ فلسطین ارضِ موعود ہے، اقبال نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ اگر فلسطین پر یہودیوں کا حق ہے تو عربوں کا حق سپین اور سسلی پر ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہودیوں کا حق ایسے ہی ہے جیسے ریڈ انڈین کا امریکہ پر اور ہُن، گاتھ اور گال قوموں کا برطانیہ پر یا ہندوستان کے آریہ اور ایران اور روس پر دعویٰ کر دیں کہ ان کا وطن اصلی واپس کیا جائے.

انہوں نے اپنے شعر میں اس مسئلہ کو یوں بیان کیا:

ہے خاک فلسطین پہ یہودی کا اگر حق
ہسپانیہ پر حق نہیں کیوں اہلِ عرب کا
مقصد ہے ملوکیت انگلیس کا کچھ اور
قصہ نہیں تاریخ کا یا شہد ورطب کا

وہ مسلمانوں اور ان کی تحریکوں میں جان ڈالنے کے لیے بڑے مؤثر انداز میں کہتے تھے:

تیری دوا نہ جنیوا میں ہے نہ لندن میں
فرنگ کی رگ جان پنجہ یہود میں ہے (۱۱)
سنا ہے میں نے غلامی سے امتوں کی نجات
خودی کی پرورش ولذّت نمود میں ہے

۳۔ اقبال اور جمال الدین افغانیؒ

اقبال جمال الدین کے بہت معتقد تھے کیونکہ ان کے پیرو مرشد مولانا رومی نے انہیں بتایا تھا کہ مشرقی ماؤں نے ان دونوں یعنی افغانی اور سعید حلیم پاشا سے بڑھ کر کسی کو نہیں جنا۔ افغانی نے مشرق کے مرد بیمار میں روح نشاط پھونکی اور ایک سرے سے دوسرے سرے تک بیداری کی لہر دوڑا دی۔ حلیم پاشا قلب دردمند اور فکر ارجمند کے مالک تھے۔ ان کی روح جتنی بے تاب تھی اتنی ہی ان کی عقل روشن اور راہ یاب۔ روحانی سیر کے دوران جب افغانی نے

اقبال سے خاکدان عالم کے احوال پوچھے تو اقبال نے کہا:

یہ امّت جو تسخیرِ کائنات کے لیے آئی تھی اب دین ووطن کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ ایمان کی طاقت اور روح کی قوت اس میں باقی نہیں۔ ترک وایران مے فرنگ سے مخمور اور اس کے فکر وفریب سے شکستۂ ورنجور ہیں۔ مغربی قیادت نے مشرق کو زار ونزار بنا دیا ہے اور اشتراکیت نے دین وملت کی عزت سے کھیلنا شروع کر دیا ہے:

روح در تن مردہ از ضعف یقین
ناامید از قوت دین متین!
مشرق از سلطانی مغرب خراب
اشتراک از دین وملت بردہ تاب

افغانی نے اقبال کو بتایا کہ عیسائی فرنگ نے اہل دین کو قوم ووطن کی پٹی پڑھائی، وہ اپنے لیے تو ہمیشہ نو آبادیات کی فکر میں رہتا ہے، لیکن تم میں پھوٹ ڈالے رہنا چاہتا ہے۔ اس لیے تمہیں ان حدود سے نکل کر عالمی اور آفاقی رول ادا کرنا ہوگا۔ مسلمان کو ہر زمین اور ہر ملک کو اپنا وطن سمجھنا چاہیے۔ دین انسان کو مادیات سے اٹھا کر عرفان نفس سکھاتا ہے۔ آدم خاکی ہے لیکن اس کی روح افلاکی ہے۔ سورج مشرق سے نکلتا ہے، لیکن وہ مشرق ومغرب دونوں کو منوّر اور مسخر کر کے رہتا ہے۔

افغانی نے اشتراکیت پر ضرب کاری لگاتے ہوئے اقبال کو بتایا کہ یہ اشتراکیت اس یہودی کی دماغی سوچ ہے جس نے حق وباطل کو خلط ملط کر دیا ہے، جس کا دماغ کافر لیکن دل مومن تھا۔ مارکس کا مذہب مساوات شکم پر قائم ہے حالانکہ انسانی اخوت جسمانی مساوات پر نہیں بلکہ ہمدردی ومواسات اور محبت ومروت پر تعمیر ہوتی ہے۔

اقبال افغانی کی زبان میں روس کو سمجھاتے ہیں کہ دنیا کو ایسی امت کی ضرورت ہے جو

نرمی و گرمی دونوں رکھتی ہو تم مشرق سے ہو بیزار نہ مغرب سے حذر کیونکہ مغربی تہذیب پرستی کھوکھلی ہے تم اپنے خدا یا حق باطل کا انکار کے لیے کا مرحلہ نفی طے کر لیا ہے اب اللہ کی رضا کی مہم میں تمہارا سفر مکمل ہو گا۔ تمہیں عالمی نظام فکر کی اگر تلاش ہے تو محکم اساس تلاش کرو اور وہ اساس ہے دین و عقیدہ ہے۔(۱۳)

۴۔ اقبال اور ترکی

علامہ اقبال اسلامی تحریکوں پر گہری نظر رکھنے والے انسان تھے۔ مصر کے دو حاکموں سعید پاشا اور اسماعیل پاشا کی اصلاحی تحریکوں کو خوب سمجھتے تھے۔ وہ ایران میں ناصر الدین شاہ قاچار کی ملک میں نئی تہذیب پر نظر رکھتے تھے۔ وہ یورپ کے مسلمانوں مصطفیٰ کمال پاشا اور امیر امان اللہ خان کی کوششوں کو دیکھتے رہتے تھے۔ اقبال کو ان سے یہ شکایت تھی کہ ان رہبروں نے ضروری اور غیر ضروری چیزوں میں تمیز نہیں کی۔ ان کا کہنا تھا کہ انسانی اصلاح کے ضروری ہے کہ انسان کو تعلیم دی جائے۔ یہ ضروری نہیں کہ اسے ہیٹ پہنا دیا جائے۔ ہیٹ پہننے اور ریش کی صفائی سے دماغی اصلاح نہیں ہو جاتی۔ اسی طرح مستورات کی اصلاح کے لیے ان کی تعلیم و تربیت ضروری ہے بالوں کو قطع کرنا یا لباس تبدیل کرنا ضروری بلکہ مفید نہیں۔(۱۴)

ہندوستان کے اسلامی مفکرین میں اقبال پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسلامی تحریک پر ٹھنڈے دل سے غور کیا۔ لیکن وہ کورانہ تقلید کے مخالف تھے۔ وہ تہذیب مغرب کی مادی ترقیوں کے مخالف نہ تھے۔ ان کا خیال تھا کہ قومی روایات اور روحانی سرمایہ کو چھوڑے بغیر مادی دنیا کو تسخیر کرنا چاہیے۔ اقبال مادیت کے علاوہ روحانی تسکین اور ترقی کو ضروری سمجھتے تھے۔ وہ کہتے مقام مرد مسلماں ز دیں اندر تہی افرنگ است۔(۱۵)

۵۔ اقبال اور برِعظیم پاک و ہند (۲۱)

برِعظیم پاک و ہند میں جدید تعلیم اور مغربی علوم و فنون اور مشرقی روایات کے امتزاج کا سب سے زیادہ مقابلہ سر سید احمد خان، مولوی چراغ علی اور سید امیر علی کے حصے میں آیا۔ اقبال اگرچہ ایک لحاظ سے اس گروہ میں گنے جا سکتے ہیں لیکن حقیقت میں ان کا طریقہ کار مختلف تھا۔

ان کا زور اس بات پر تھا کہ مذہب کے داخلی استحکام اور اصلاح پر متوجہ ہوا جائے

اقبال نے فروعی مسائل پر کم توجہ دی اور ساری قابلیت اسلام کے اہم بنیادی اصولوں کو بے نقاب کرنے پر صرف کی۔ اقبال نے مسلمان کو مکمل انسان کی شکل میں دیکھنا چاہا۔ ان کا خیال تھا کہ اسلام کی ترقی اس وقت ہوگی جب اس کے سارے اجزاء یعنی سارے مسلمان ہر لحاظ سے اپنے آپ کو بہتر اور مکمل انسان بنالیں گے.

ہو صداقت کے لیے جس دل میں مرنے کی تڑپ
پہلے اپنے پیکر خاکی میں جاں پیدا کرے

مغربی زبانوں میں اسلام کی بہترین ترجمانی سید امیر علی نے کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر جو داغ ولیم میور نے لگانے کی کوشش کی ان کو سر سید احمد خان نے دھویا، اس کے علاوہ سید احمد شہید، سید اسماعیل شہید، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور اقبال جیسی شخصیتوں نے نامساعد حالات میں قوم کی رہنمائی کی۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ابوالحسن ندوی جیسی شخصیتوں نے قوم کی علمی سرگرمیوں کا جائزہ لے کر ایک نئی راہ متعین کی۔

جدید اور قدیم کی کشمکش ابھی جاری ہے Engligtened Pakistan کا نظریہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے.

۶۔ برصغیر کی اسلامی تحریکیں:

تحریک خلافت کی ناکامی کے بعد ہندوؤں نے شدھی اور شنگھٹن کی تحریکیں شروع کیں تو مسلمانوں نے دعوت اور تبلیغ کی تحریکیں جاری کیں۔ انجمن تبلیغ اسلام کے معتمد اقبال کے پرانے دوست غلام بھیک نیرنگ (۱۶) تھے وہ ایسی تبلیغی کانفرنس کا اہتمام کرنا چاہتے تھے جس میں نومسلم یورپین بھی شریک ہوں۔ اقبال نے اس خیال کی تائید کرتے ہوئے انہیں لکھا:

''میرے نزدیک تبلیغ اسلام کا کام اس وقت تمام کاموں پر مقدم ہے۔ اگر ہندوستان میں مسلمانوں کا مقصد سیاسیات سے محض آزادی کا حصول اور اقتصادی کامیابی ہے اور حفاظت

اسلام کا مقصد عنصر نہیں تو مسلمان اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔ جس جانفشانی سے آپ نے تبلیغ کا کام کیا ہے اس کا اجر اللہ ہی دے سکتے ہیں (۱۷)،،

۷۔تحریک کشمیر

علامہ اقبال کشمیری مسلمانوں کے متعلق بہت متفکر رہتے۔ جب مسلمانوں پر تشدد کیا گیا اور انہیں شہید کیا گیا اور مظالم ڈھائے گئے تو ان کے خلاف اگست 1931ء میں یوم کشمیر منانے کا فیصلہ ہوا تو اقبال نے کہا کہ:

مسلمانو! آپ پر پے در پے حملے کر کے آپ کے دشمن کو یہ گمان ہو گیا ہے کہ مسلمان ایک مردہ قوم ہیں۔ اس گمان کو غلط ثابت کرنے کے لیے آپ کا فرض ہے کہ آپ یوم کشمیر کو کامیاب بناؤ، دشمن پر عملاً ثابت کردو کہ ہم ظلم و تعدی کو برداشت کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں (۱۸)

۸۔اقبال اور دینی تحریکیں:

اقبال کا تعلق مذہبی اور صوفی منش خاندان سے تھا۔ مذہبی روایت ان کے خاندان میں نسل در نسل چلی آرہی تھی۔ ان کے والد کو قرآن و حدیث سے خصوصی لگاؤ تھا۔قرآن کی تلاوت اقبال کا شیوہ تھا۔عربی و فارسی کی تعلیم کے علاوہ ان میں اسلامی اخلاق و عادات کے بیج شروع ہی سے رکھ دیئے گئے۔ابتدائی طور پر آپ صوفیا سے بہت عقیدت رکھتے تھے۔ بعد میں قرآن شریف پر تدبر کی بدولت بعض مسائل وعقائد صوفیا کو غیر اسلامی قرار دیا (۲۰)

اقبال کو جب سید میر حسن جیسے روشن خیال اساتذہ میسر آئے تو آپ کی زندگی میں نیا موڑ آیا۔ پروفیسر آرنلڈ اور مغربی فلسفہ کی تباہ کاریوں نے اقبال کی روشن خیال فکر کو پروان چڑھانے میں اہم کردار ادا کیا۔علامہ اقبال ایک شاعر، فلسفی اور متکلم تھے۔آپ نے یونانی فلسفہ کی کمزوریوں کی نشاندہی کر کے ان کا رد کیا۔علامہ اقبال نے قرآن حکیم کی روشنی میں ثابت کیا کہ علم کا سرچشمہ وحی والہام ہے۔ نیز قرآن سے فطرت اور تاریخ کا ذریعہ علم ہونا ثابت ہوتا ہے (۲۱)

علامہ نے افلاطونی نظریات پر تنقید کی کیونکہ وہ انسان کو بے عملی کا سبق دیتے تھے۔

اسی طرح صوفیا پر کڑی تنقید کی۔ وہ کہتے

(ادب، تمدن، تصوف، شریعت، کلام

بُتان عجم کے پجاری تمام

حقیقت خرافات میں کھو گئی

یہ امت روایات میں کھو گئی

وہ صوفی کہ تھا خدمت حق میں مرد

محبت میں یکتا حمیت میں فرد

عجم کے خیالات میں کھو گیا

یہ سالک مقامات میں کھو گیا

اقبال مولانا رومی کے اشعار کے حوالے سے علم کو عبادت کی شکل قرار دیا۔ اقبال یہ کہنا چاہتے تھے کہ مومن کو بصیرت و اخلاق سے بھی مالا مال ہونا چاہیے اور نئے حالات کے تقاضوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے قوت و اقتدار سے اس کا بازو مضبوط ہونا چاہیے۔

اقبال نے نظریہ وحدت الوجود کے خلاف نعرہ خودی 1915ء میں اسرار خودی کی صورت میں لگایا۔ اس پر مستشرقین بھی میدان میں آ گئے اور یوں ایک علمی جنگ چھڑ گئی۔ (۲۲) اقبال نے اپنا جہاد جاری رکھا اور جبر و قدر کے مسئلہ پر بھی قوم کی رہنمائی کی۔

۹۔ اقبال اور جبر و قدر

اقبال کا خیال ہے کہ تقدیر کا روایتی تصور کہ ہمارے اعمال خدا کے ہاں پہلے سے متعین ہیں اور ایک ایک کر کے پردۂ غیب سے ظہور پذیر ہوتے ہیں، غلط ہے۔ اقبال ایسے نظریہ قسمت کو رد کرتے ہیں جو اہل یورپ نے اسلام سے منسوب کر رکھا ہے۔ (۲۳) اقبال کے نزدیک اس تصور کی تین وجوہات ہیں

۱۔ اسلام سے دوری (۱۶)

۲۔ یونانی فلسفہ

۳۔ سیاسی مصلحتیں

وہ بنو امیہ پر تنقید کرتے نظر آتے ہیں کہ انہوں نے ۔ اسی جدو جہد کا جذبہ مٹانے کے لیے یہ خیال عام کیا کہ سب تقدیر یا مشیت ایزدی کا مرہون منت ہے۔

نکلسن نے ابن تیمیہ کے حوالے سے 127 ایسے لوگوں کا ذکر کیا جو بنو امیہ کے زمانے میں اس بات کے قائل نہ تھے کہ انسانی تقدیر اٹل ہوتی ہے اور پہلے سے طے شدہ ہوتی ہے۔اسی طرح آپ نے تو افلاطونی افکار کی نفی کی۔

اقبال نے اپنے تصور خودی کو عام کیا اس تصور کا مقصد یہی تھا کہ اصل زندگی کیا ہے۔ انسان کس طرح زندہ رہ سکتا ہے۔ اسے کس طرح زندگی گزارنی چاہیے۔ عمل اور زندگی کا کیا تعلق ہے۔ زندگی ایک حرکت اور ایک جذبہ رکھتی ہے۔ خودی اور خودداری میں بھی ایک جذبہ ہے جب وہ جذبہ مشتعل ہو جاتا ہے تو زندگی کے برکات اور زندگی کے فضائل روشنی میں آجاتے ہیں۔ (۲۵)

الغرض اقبال اپنے دور کے ایک عظیم عالم، مفکر، فلسفی اور متکلم تھے۔ انہوں نے عالمی سطح پر پائے جانے والے اسلامی افکار و نظریات کا محققانہ جائزہ لیا اور ان کے حل کے لیے اپنی آرا پیش کیں اور موزوں حل پیش کیا۔ انہوں نے نہ صرف اسلامی تحریکوں اور ان کے پیشواؤں کو مشورے دیے، بلکہ ان کی مدد کے لیے اپنی شاعری کو وقف کر دیا۔ دوسری طرف برصغیر کے مسلمانوں کو خواب غفلت سے جگانے اور انہیں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے لیے آپ نے اپنی کوششیں صرف کر دیں۔ اقبال نے قرآن فہمی، محبت رسول، فیض رومی اور عرفان نفس کی بدولت مسلم قوم کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیا۔ وہ اپنے زمانے کے امام تھے اور ہمارے زمانے میں ایسے فقیہ یا مجدد کی تلاش میں تھے جو فقہ اور اصول فقہ کو نئے سرے سے سمجھا سکے۔ اقبال اگر زندہ ہوتے تو موجودہ دور میں یقیناً نئے علم الکلام کی ضرورت پر زور دیتے:

حوالہ جات وحواشی

۱۔ شیخ محمد اکرام، موج کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور (دیباچہ)۔

۲۔ انوار محمد، ڈاکٹر تحریک پاکستان میں علامہ اقبال کا کردار، بیکن بکس گلگشت، ملتان، ۴۴

۳۔ خدیجہ یاسمین ملک، فلسفہ اقبال، المغنی بکس گلگشت، ملتان، ۵۵

۴۔ ایم اے خالد، اقبال کا خصوصی مطالعہ، ۲۶۶

۵۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر، اقبال، ۲۶۔

۶۔ خلیفہ عبدالحکیم، فکر اقبال، ۳۱۳۔

۷۔ محمد سلیم، علامہ اقبال کی سیاسی زندگی، سنگ میل پبلی کیشنز، 2001، 20

۸۔ محمد حمزہ فاروقی، اقبال کا سیاسی سفر، بزم اقبال لاہور، 1992۔

۹۔ ابوالحسن ندوی، نقوش اقبال، مجلس نشریات اسلام کراچی، 1983، 195۔

۱۰۔ ایضاً

۱۱۔ ایضاً

۱۲۔ ایضاً، ۲۳۳

۱۳۔ ایضاً، ۲۴۳

۱۴۔ شیخ محمد اکرام، موج کوثر، ۳۳۶۔

۱۵۔ ایضاً، ۳۲۸

۱۶۔ محمد عبداللہ قریشی، معاصرین اقبال کی نظر میں، مجلس ترقی ادب لاہور، ۶۳۔

۱۷۔ شیخ عطاء اللہ، اقبال نامہ، ۱۹۸۷ء، ج ۱، ۲۰۹

۱۸۔ محمد رفیق افضل، گفتار اقبال، ۱۳۰

۱۹۔ ممتاز احمد، اقبال کا سیاسی سفر، ۱۹۸۷ء، ۴۶

۲۰۔ طالب حسین، اقبال اور ان کی دوستی، آکسفرڈ، ۱۴۱

۲۱۔ نذیر نیازی، تشکیل جدید الٰہیات اسلام، بزم اقبال لاہور، ۱۸۸

۲۲۔ جاوید اقبال، زندہ رود، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۷ء، ۴۷

۲۳۔ گوہر نوشاہی، مطالعہ اقبال، بزم اقبال لاہور ۱۹۸، ۲۳۲

۲۴۔ آصف چوہدری، سردار، اقبال اور تقدیر، منشورات اقبال، بزم اقبال لاہور، ۷۶

۲۵۔ گوہر نوشاہی، مطالعہ اقبال، بزم اقبال لاہور، ۴۱۵